'جرمیات' منٹو کا پسندیدہ موضوع

محمد ماجد ریسرچ اسکالر
شعبۂ اردو (دہلی یونیورسٹی)
majidkhan2384@gmail.com

ملخص

جرائم سے انسانی معاشرے کا چولی دامن کا رشتہ ہے۔ جب سے انسانی معاشرہ وجود میں آیا جرم کا بھی آغاز ہوا۔ جرم کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ جو حرکت خلاف آئین سرزد ہو وہ جرم ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والا مجرم کہلاتا ہے، لیکن لفظ آئین ایک سیال تصور ہے، جسے ہر جگہ ایک ہی انداز سے منطبق نہیں کیا جا سکتا۔ ہر معاشرے کے اپنے اخلاقیات و آئین ہوتے ہیں، جو دوسروں سے مختلف اور کبھی کبھی متضاد بھی ہوتے ہیں۔ جرم کے لیے مکان کے علاوہ زمان کو بھی دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کل تک جو جرم بڑا سنگین تصور کیا جاتا تھا آج اسے بہت ادنیٰ تصور کیا جاتا ہے نیز کل تک جس جرم کو ادنیٰ تصور کیا جاتا تھا آج اسے سنگین تصور کیا جاتا ہے۔ اس لیے جرم کا مطالعہ اس مخصوص معاشرے اور حالات کو مدِّ نظر رکھ کر کیا جاتا ہے، جس میں وہ جرم سرزد ہوا ہو۔ جرمیاتی مطالعے کا مقصد جرائم کے اسباب کا سراغ لگانا ہوتا ہے نیز ان کی نوعیت و ماہیت معلوم کرنا ہوتا ہے۔ جرائم کے اسباب کا پتا لگانے کے بعد اس کے انسداد کی تدابیر بھی تجویز کی جاتی ہیں تاکہ مجرموں کی اصلاح کر کے انہیں سماج کا مفید رکن بنایا جا سکے۔ لیکن کسی ادبی فن پارے کا جرمیاتی تجزیہ دراصل جرم کے موضوعات سے متعلق فنکار کے استدلالی زاویہ نگاہ، فکر و فن اور اس کی ظرف نگاہی کا مطالعہ ہے، تاکہ اس کے گہرے سماجی شعور اور افادی و فنی طریق اظہار پر اس کی گرفت کا اندازہ لگایا جا سکے۔

'جرمیات' منٹو کا پسندیدہ موضوع

جرمیات کو سمجھنے کے لیے ہمیں سب سے پہلے جرم کو سمجھنا ہوگا۔ جرم کیا ہے؟ کس فعل کو ہم جرم سمجھتے ہیں؟ لفظ جرم کو ہم کس زمرے میں رکھتے ہیں؟ یا کن حالات میں جرم سرزد ہوتا ہے؟ ان سب باتوں کا جاننا لازمی ہے۔ جرم کی کوئی مخصوص تعریف نہایت مشکل ہے کیونکہ ''جرم'' قانون اور جرمیات کے حوالے سے تعریف کی گرفت میں نہ آنے والا واحد لفظ ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ زمانی اور مکانی اعتبار سے اس کے معانی و مفاہیم مختلف اور متنوع ہیں اور جنہیں اکثر قانون کے حوالے سے پیش کیا جاتا ہے۔ جبکہ قانون خود کوئی جامد چیز نہیں ہے۔ اس لیے جرم کی کوئی ایک تعریف بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ کسی شخص کے جان و مال کو نقصان پہنچانا یا کسی اور طریقے سے اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرنا قانون کے مطابق جرم ہے۔ جرم کی سنگینی کے مطابق سزا مقرر کی گئی ہے۔ جیسے، جرمانہ، جیل یا کسی سنگین جرم کے لیے سزائے موت۔ کوئی قول و فعل اس وقت تک جرم نہیں سمجھا جائے گا جب تک کہ وہ قانون کی نظر میں جرم ثابت نہ ہو جائے۔ وہ شخص جو جرم کا شکار ہوا ہے۔ جرم کرنے والے شخص پر سزا یا معاوضے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ چوری، ڈکیتی، اغوا کرنا، عصمت دری، جان سے مارنے کی کوشش کرنا، قتل وغیرہ جرم کے زمرے میں آتے ہیں۔

جرم کو سمجھنے کے بعد اب ہم جرمیات کی طرف بڑھتے ہیں۔ جرمیات ایک سائنسی اصطلاح ہے جو جرم + یات سے مل کر بنی ہے جس کے معنی جرم کا سائنسی مطالعہ ہے۔ جرمیات ایک ایسی سائنس ہے جس میں جرم اور مجرم کی نفسیاتی وجوہات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ موجودہ دور کے حالات اور بڑھتے ہوئے جرائم کی وجہ سے جرم کے سائنسی مطالعے کی ضرورت پیش آئی اور جرمیات کی بنیاد پڑی اس لیے ہم جرمیات کو ایک نیا شعبۂ علم بھی کہہ سکتے ہیں۔ جس کا مقصد جرائم کی نوعیت و مابئیت اور ان کی وجوہ کو تلاش کرنا اور ان کے تجزیے اور تحلیل کے بعد ان کی انسدادی تدابیر تجویز کرنا ہے۔ اس کے علاوہ مجرم، مجرم نہ رہ کر ایک اچھا انسان بنے اس کے اقدامات بھی تجویز کرنا جرمیات کا کام ہے۔ دور حاضر میں علم جرمیات کو

بہت فروغ حاصل ہوا ہے، مستقبل میں جرمیات کی ضرورت واہمیت کے پیش نظر اس شعبہ علم کو یو جی سی کے مسلمہ مضامین میں شامل کیا گیا ہے اور مختلف جامعات میں اس کے شعبے قائم کیے گئے ہیں، تا کہ جرائم کا سائنسی مطالعہ کر کے سماج میں بڑھتے ہوئے جرائم کے انسداد کی کوشش کی جا سکے۔

جس طرح کسی فن پارے کا ہم تنقیدی یا تاثراتی تجزیہ کرتے ہیں ٹھیک اسی طرح کسی ادبی فن پارے کا جرمیاتی تجزیہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ ہر قصہ یا کہانی میں اچھائی اور برائی کے کردار ضرور ہوتے ہیں، جہاں برائی ہوگی وہاں جرم بھی ہوگا۔ظاہر ہے جس سماج میں جرم کے واقعات ہوں گے وہاں اسی نوعیت سے اس سماج کے ادب کا مطالعہ کیا جائے گا۔اردو میں آج تک کوئی ایسا کام نہیں ہوا جس میں کسی فنکار کے یہاں پیش کردہ جرائم کا مطالعہ خود جرمیات کے نقطۂ نظر سے کیا گیا ہو یہ ایک طرح کا بین العلومی کام ہے جس میں اردو کے ساتھ جرمیات کے اصول وقواعد بھی جاننے کی ضرورت ہے۔اس سے نہ صرف مجرموں کی نفسیات کو سمجھنے کا موقع ملے گا بلکہ خود فنکار کی نفسیاتی پرتوں کو ادھیڑنے کا موقع مل سکے گا۔میرا اس مقالے میں جرمیاتی تجزیہ کرنے کا مقصد جرمیات کو نفسیات کی ایک ذیلی شاخ کے طور پر متعارف کرانا اور ایک نیا دبستان قائم کرنا ہے۔اس کے علاوہ اردو ادب اور خاص طور پر افسانوی ادب میں جرم کی اہمیت ومعنویت پر روشنی ڈالنا اور منٹو کے پیش کردہ جرائم کے اسباب اور سد باب کو تلاش کرنا ہے۔

جرم اور ادب کا رشتہ بہت قدیم ہے۔ ادب کسی خلا میں پیدا نہیں ہوتا بلکہ وہ کسی انسانی معاشرے میں ہی پروان چڑھتا ہے۔انسانی معاشرہ جب سے وجود میں آیا اس میں اچھائیوں کے ساتھ برائیاں، اعمال خیر کے ساتھ ساتھ جرائم کا وجود بھی عمل میں آیا۔دنیا کا کوئی بھی ادب مغربی ہو یا مشرقی اور کسی زمانے سے تعلق رکھتا ہو قدیم ہو یا جدید اس میں جرم وسزا اور خیر وشر کا ہونا ناگزیر ہے۔ہمارے یہاں ہندوستان میں پنچ تنتر، ہتو پدیش، کتھا سرت ساگر، مہا بھارت اور رامائن مشرق وسطیٰ کے ادب میں الف لیلیٰ، کلیلہ ودمنہ، شیخ سعدی کی گلستاں وبوستاں وغیرہ خیر وشر کے معاملات سے پُر اور پند ونصائح سے معمور ہیں۔انگریزی ادب میں شیکسپیئر کے ڈراموں میں بھی مختلف قسم کے جرائم دیکھنے کو ملتے ہیں۔

اردو ادب میں ہر جگہ اس کی مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔چاہے وہ داستان ہو، ناول ہو یا پھر افسانہ۔منٹو کے افسانوں مثلاً ٹھنڈا گوشت، کھول دو، سرکنڈوں کے پیچھے، پڑھیے کلمہ اور وہ لڑکی وغیرہ اس کی اچھی مثالیں ہیں۔منٹو کے علاوہ بھی کئی افسانہ نگار ایسے ہیں جن کے افسانوں میں ہمیں جرم کے عنصر نظر

آتے ہیں۔ جیسے عصمت چغتائی، پریم چند، کرشن چندر، پیغام آفاقی، الیاس احمد گدی، ابن صفی، مشرف عالم ذوقی وغیرہ ایسے چند نمایاں ادیب ہیں جن کے افسانوں اور ناولوں کو پڑھ کر ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اردو ادب کا ایسا کوئی اہم ناول نگار یا افسانہ نگار نہیں جس نے اپنی تخلیقات میں جرم کے واقعات یا اس سے متاثر کردار پیش نہ کیے ہوں۔

منٹو کی پیدائش 11 مئی 1912 کو لدھیانہ میں اور وفات 18 جنوری 1955 کو لاہور میں ہوئی۔ منٹو کی زندگی کے زمانی و مکانی پڑاؤ کی مختلف صورت حال نے منٹو کی ساخت و پرداخت میں اہم رول ادا کیا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ فنکار کی شخصیت اپنی نوعیت و ماہیت کے پیش نظر ردّ و قبول کرتی ہے اور ان کے استدلالی اور فنی اظہار کا اہتمام بھی کرتی ہے۔ منٹو نے اپنے زمان و مکاں کی مختلف صورت حال سے اپنے فکر و فن کے لیے جن موضوع و مواد کا انتخاب کیا ان میں متنوع جرائم شامل ہیں، جن کی فنکارانہ عکاسی ان کی تخلیقات میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ منٹو نے اپنی بیالیس سال آٹھ ماہ اور نو دن کی مختصر سی زندگی میں ڈھائی سو سے زائد افسانے، سو سے زیادہ ریڈیائی ڈرامے اور تقریباً اتنے ہی خاکے اور مضامین لکھے، اس کے علاوہ انہوں نے دو درجن روسی افسانوں کے ترجمے بھی کیے۔ منٹو نے فلمی کہانیاں، اسکرین پلے اور مکالمے تحریر کیے۔ ''مرزا غالب'' ان کی مقبول ترین فلم تھی۔ انہوں نے اشوک کمار کے ساتھ فلم ''آٹھ دن'' میں ایک پاگل ملٹری آفیسر ''کرپارام'' کا کردار بھی ادا کیا ہے۔

عام طور پر جرم محض حکمرانوں کی طرف سے مقرر کردہ قوانین کی خلاف ورزی کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ جرم کے مطالعے پر دنیا بھر میں مختلف پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں جن میں مجرمانہ سرگرمیوں کے بڑھنے کی مختلف وجوہات پر بحث و مباحثے ہوتے ہیں۔ جرائم کی شرح کو نیچے لانے کے لیے حکومت اور پولس تنظیمیں دنیا بھر میں مسلسل کوششیں کر رہی ہیں۔ جرم کے خلاف جنگ انسانی معاشرے میں کوئی نئی بات نہیں ہے یہ تو دنیا کے قیام کے وقت ہی سے ہر معاشرے میں چلی آ رہی ہے۔ ہر معاشرے میں جرم کی شرح کو کم کرنے کی کوششیں کی جاتی رہی ہیں اور آگے بھی جاری رہیں گی۔ جرائم کی کچھ اہم وجوہات مندرجہ ذیل ہیں۔

آبادی، غربت، سیاست، نسل پرستی، ٹی۔وی کے ذریعے تشدد، علاقائیت، خاندان کے حالات، ڈپریشن اور دیگر سماجی اور ذہنی عوارض، منشیات، غیر منصفانہ احکام طرز حکومت و نظام، معاشرے

میں عدم مساوات۔

معاشی محرومی یا صرف غربت تمام دنیا بھر کے جرائم کا ایک بڑا سبب ہے۔غربت ہی مایوسی کی وجہ بنتی ہے اور مایوسی سے پیدا ہونے والے حالات لوگوں کو جرم کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ یہ حالات بذات خود معاشرے کے لیے ایک خطرناک چیز ہے۔منٹو اپنے ایک مضمون میں خود لکھتے ہیں:

''دنیا میں جتنی لعنتیں ہیں بھوک ان کی ماں ہے۔ بھوک گداگری سکھاتی ہے، بھوک جرائم کی ترغیب دیتی ہے، بھوک عصمت فروشی پر مجبور کرتی ہے، بھوک انتہا پسندی کا سبق دیتی ہے۔اس کا حملہ بہت شدید اور اس کا وار بہت بھرپور اور اس کا زخم بہت گہرا ہوتا ہے۔''

(سعادت حسن منٹو، مضمون۔افسانہ نگار اور جنسی مسائل)

اسی طرح کسی انسان کے خاندانی حالات بھی جرائم کا اہم سبب بنتے ہیں۔اکثر لوگوں کو جرم کی زندگی میں داخل کرنے کے لیے ان کا خاندانی پس منظر ذمے دار ہوتا ہے۔کسی انسان کا گھر، اس کی نجی زندگی، اس کی بیوی، بچے، بھائی، بہن، ماں باپ تمام لوگ اس کے لیے اہمیت رکھتے ہیں۔گھر کا کوئی ایک فرد بھی اگر شراب نوشی، ڈرگس، جوا، سٹا، چوری یا جنسی بے راہ روی میں مبتلا ہو جاتا ہے تو گھر کے دوسرے افراد پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں جس کی وجہ سے گھر کے دوسرے افراد بھی جرم کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

جسم فروشی ایک ایسا عمل ہے جس پر دنیا کے تقریباً تمام ممالک میں بحث و تکرار ہو چکی ہے، جسم فروشی کیا ہے؟ کیا یہ قانوناً جرم ہے؟ کیا یہ ہمارے سماج کو گندہ کر رہی ہے؟ جب بھی ہم جسم فروشی کے متعلق سوچتے ہیں تو ایسے کئی سوالات ہمارے ذہن میں گردش کرنے لگتے ہیں۔ان سوالوں کے جواب سعادت حسن منٹو نے اپنے مضمون ''عصمت فروشی'' میں دینے کی کوشش کی ہے۔بقول منٹو:

''عصمت فروشی کوئی خلاف عقل یا خلاف قانون چیز نہیں ہے۔یہ ایک پیشہ ہے جس کو اختیار کرنے والی عورتیں چند سماجی ضروریات پوری کرتی ہیں۔جس شے کے گاہک موجود ہوں، اگر وہ مارکیٹ میں نظر آئے تو ہمیں تعجب نہ کرنا چاہیے، اگر ہمیں ہر شہر میں ایسی عورتیں نظر آتی ہیں جو اس جسمانی تجارت سے اپنا پیٹ

پالتی ہیں تو ہمیں ان کے ذریعہ معاش پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیے اس لیے کہ ہر شہر میں ان کے گاہک موجود ہیں''۔

بعض ممالک میں جسم فروشی کو قانونی حیثیت حاصل ہے جب کہ بعض ممالک میں جسم فروشی قانوناً جرم ہے اور وہاں پر ایسے لوگوں کو مجرم قرار دے کر مناسب کارروائی کی جاتی ہے۔ جسم فروشی دنیا کا ایک قدیم ترین پیشہ ہے اور اس کی بنیادی وجہ انسان کے اندر جنسی جبلت اور نفسیاتی خواہش کی موجودگی ہے۔ سعادت حسن منٹو بھوک اور غریبی کو جسم فروشی کی ایک اہم وجہ قرار دیتے ہیں۔

جسم فروشی تب تک جرم نہیں کہلائے گی جب تک کہ یہ قانون کے دائرے میں رہ کر کی جائے لیکن جب یہ جبر و استحصال کا موجب بن جائے تو یہ جرم کے زمرے میں شامل ہو جائے گی۔ جب کوئی عورت اپنی عصمت کا سودا کرتی ہے اور اپنی طے شدہ قیمت لے کر اپنے وجود کے قیمتی گوہر کو بیچتی ہے تو یہ اس کا پیشہ کہلائے گا کوئی جرم نہیں لیکن اگر کوئی مرد اپنی طاقت اور جبر سے اس گوہر کو حاصل کرتا ہے تو یہی عمل زنا بالجبر میں تبدیل ہو جاتا ہے جو قانوناً جرم ہے اور اس پر سخت سزا مقرر کی گئی ہے۔ اس میں انڈین پینل کوڈ کے سیکشن 376-A کے تحت مجرم کو بیس سال تک کی سزا ہو سکتی ہے۔ اسی طرح نابالغ لڑکیوں سے جسم فروشی کا پیشہ کرانا قانوناً جرم ہے، اس کی مثال منٹو کا افسانہ ''دس روپے'' ہے جس میں سریتا کی ماں اپنی پندرہ سالہ نابالغ لڑکی سے جسم فروشی کا پیشہ کراتی ہے۔ قانون کے مطابق نابالغ بچوں سے جسم فروشی کا پیشہ کرانا جرم ہے تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ آخر کار ان بچوں کو پیشہ کرنے پر کون مجبور کرتا ہے۔ خود ان کے ماں باپ اپنی اولاد کو ایسے پیشے میں کیوں ملوث کرتے ہیں۔ اس کی اہم وجہ غریبی اور بے روزگاری ہے اور خود ہمارا سماج اس کا ذمہ دار ہے کیوں کہ جو عورتیں عزت کی روٹی کمانا چاہتی ہیں انہیں بھی یہ سماج عزت کی زندگی بسر نہیں کرنے دیتا اس کی بہترین مثال منٹو کا افسانہ ''لائسنس'' ہے۔ اس افسانے میں ابو کو چوان کے جیل جانے کے بعد اس کی بیوی نیتی اس کا تانگا چلانے لگتی ہے تو کمیٹی والے اس کا لائسنس ضبط کر کے اسے بازار میں جا کے بیٹھنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ اقتباس دیکھیے:

> ''حضور آپ رحم کریں، محنت مزدوری سے کیوں روکتے ہیں مجھے؟ میں کیا کروں بتایئے نہ مجھے۔ اتنا گڑگڑانے کے باوجود بھی افسر نے اس کی ایک نہ سنی اور اسے جسم فروشی کرنے کی صلاح دے کر کہتا ہے۔ جاؤ بازار میں جا کر بیٹھو۔ وہاں زیادہ

کمائی ہوگی۔'' (سعادت حسن منٹو: حیات اور کارنامے، ص۔10)

منٹو ایک ایسا افسانہ نگار ہے جس کے افسانوں میں جرائم کی بھرمار ہے۔ جرائم خواہ کسی قسم کے ہوں اس کے پس پردہ کچھ عوامل ومحرکات ہوتے ہیں اور جرم کا ارتکاب کرنے والے کی اپنی نفسیات ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ منٹو کے بیشتر افسانوں میں جرم کے واقعات نمایاں ہیں۔ ان کے مشہور افسانے ''کھول دو'' میں جہاں سکینہ کی کئی دنوں تک آبرو ریزی کی جاتی ہے وہیں افسانہ 'شغل' میں دو امیر زادے ایک غریب مزدور عورت کو اٹھالے جاتے ہیں اور اس کی آبرو ریزی کرتے ہیں ''ٹھنڈا گوشت'' میں 'کلونت کور ایشر سنگھ کا گلا ریت کر اسے قتل کر دیتی ہے۔ وہیں ''نیا قانون'' میں منگو کوچوان ایک گورے کو اس قدر پیٹتا ہے کہ اسے حوالات کی ہوا کھانی پڑتی ہے۔ منٹو جان بوجھ کر اپنے افسانوں میں جرم کے واقعات کو پیش نہیں کرتے بلکہ وہ اس معاشرے کی عکاسی کرتے ہیں جس میں گاہے بہ گاہے جرم کے واقعات سرزد ہوتے ہیں۔ افسانہ ''وہ لڑکی'' ایک ایسی لڑکی کی کہانی ہے۔ جو اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے خود قتل جیسے سنگین جرم کو انجام دیتی ہے۔

منٹو کے افسانہ 'پڑھیے کلمہ' کی وہ عورت جس کا نام رکما دیوی ہے۔ جو اتنی بے رحم ہے کہ اپنے ہی پتی کا گلا گھونٹ کر اسے قتل کر دیتی ہے۔ عبدالکریم نام کا ایک شخص رکما پر فدا ہو جاتا ہے، لیکن اسے کیا خبر تھی کہ وہ ایک بڑی مصیبت میں مبتلا ہونے والا ہے۔ دونوں میں سلسلہ شروع ہوا لیکن دونوں کے درمیان رکما کا شوہر گردھاری تھا۔ پر رکما نے اسے بھی اپنے راستے سے ہٹا دیا۔ عبدالکریم نے جب گردھاری کی لاش دیکھی تو اس کا جسم بھی ٹھنڈا پڑ گیا لیکن رکما اتنی سنگ دل عورت تھی کہ اس کے چہرے پر شکن تک نہ آئی اور مسکراتی رہی۔ اقتباس دیکھئے:

> ''کم بخت نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا۔'' میں نے گردھاری کو مار ڈالا''۔ آپ یقین کیجئے اس نے اپنے ہاتھوں سے ایک ہٹے کٹے آدمی کو قتل کیا تھا۔ کیا عورت تھی صاحب مجھے جب بھی وہ رات یاد آتی ہے، قسم خداوند پاک کی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس نے مجھے وہ چیز دکھائی جس سے اس ظالم نے گردھاری کا گلا گھونٹا تھا۔ بجلی کے تاروں کی گندھی ہوئی ایک مضبوط رسی تھی۔ لکڑی پھنسا کر اس نے زور سے کچھ ایسے پیچ دیئے کہ بے چارے کی زبان

اور آنکھیں باہر نکل آئی تھیں۔ کہتی تھی بس یوں چٹکیوں میں کام تمام ہو گیا تھا۔''

(سعادت حسن منٹو، چغد۔ص۔48)

ان افسانوں کے علاوہ چاہے ''صاحب کرامات'' کا جال ساز نوجوان ہو جو چوہدری موجوں کی بیوی اور بیٹی کی عصمت لوٹتا ہے یا پھر افسانہ ''ممد بھائی'' میں ایک بے قصور لڑکی کی آبرو ریزی کرنے والے شخص کا قتل کر کے شہر بدر ہونے والا ممد بھائی۔ ان تمام افسانوں کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ منٹو کے ایسے کئی افسانے ہیں جن میں جرم کے واقعات موجود ہیں۔

منٹو کے افسانوں میں انسانی اور مادّی قدروں میں جو تصادم دیکھنے کو ملتا ہے وہ دوسرے افسانہ نگاروں کے یہاں کم ہی ملتا ہے۔ موجودہ زمانہ انسانی قدروں کے زوال کا اور مادّی قدروں کے عروج کا زمانہ ہے۔ دنیا کی چاہت نے انسان کے دل و دماغ پر حیوانیت طاری کر دی ہے۔ بے پناہ دولت اور شہرت حاصل کرنے اور اسے بنائے رکھنے کے لیے انسان کسی بھی حد تک جا سکتا ہے۔ وہ کسی انسان کے دکھ درد اور تکلیف کو نظر انداز کر سکتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ذاتی مفاد، روپے پیسوں کی لالچ اور شہرت کے لیے چوری، لوٹ، زنا اور قتل جیسے سنگین جرائم کو بھی انجام دے سکتا ہے۔

سعادت حسن منٹو نے سماج کی مٹتی ہوئی انسانی قدروں کو بڑے ہی پر اثر انداز میں اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے۔ منٹو کا افسانہ ''جی آیا صاحب'' میں ایک انسپیکٹر محض دس سال کے نابالغ لڑکے قاسم کو پہلے اپنے گھر میں کام پر رکھتا ہے پھر اس پر کام کا اتنا بوجھ ڈال دیتا ہے کہ پہلے تو وہ اپنے ہاتھ کی انگلی کاٹ لیتا ہے اور بعد میں ڈاکٹروں کو اس کا ہاتھ بھی کاٹنا پڑتا ہے جس سے وہ ہمیشہ کے لیے معذور ہو جاتا ہے۔ انسپکٹر دس سال کے بچے کو کام پر رکھتا ہے جبکہ بارہ سال سے کم عمر کے بچوں سے کام کرانا قانونی جرم ہے۔ منٹو کے افسانہ ''خونی تھوک'' میں ایک غیر ارادتن قتل کا واقعہ دیکھنے کو ملتا ہے اس افسانے میں ایک فرسٹ کلاس کا مسافر ایک غریب قلی کو اپنے جوتے کی تیز نوک سے اس طرح مارتا ہے کہ وہ وہیں دم توڑ دیتا ہے۔ افسانہ ''کتاب کا خلاصہ'' میں ایک باپ اپنی جنسی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے اپنی ہی بیٹی کو اپنی حوس کا شکار بناتا ہے۔ یہاں جنسی حوس انسانیت اور رشتوں پر حاوی نظر آتی ہے اقتباس دیکھیے:

''قریباً دس مہینے بعد اخباروں میں ایک سنسنی پھیلانے والی خبر شائع ہوئی کہ بڑی سڑک کی بدرو میں ایک نوزائدہ بچہ مرا ہوا پایا گیا۔ تحقیقات کی گئی تو معلوم ہوا کہ

بچہ لالہ ہری چرن۔۔۔۔ ماسٹر کی لڑکی بملا کا تھا اور بچے کا باپ خود لالہ ہری چرن تھا۔'' (سعادت حسن منٹو، منٹو کے متنازعہ افسانے۔ص۔54)

اس طرح کے واقعے ہماری روح کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ یہ ایک بڑا جرم ہے، اس طرح کی اور بھی مثالیں منٹو کے افسانوں میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی قدریں کس قدر پامال ہو چکی ہیں۔ اس طرح یہ بات واضہ ہو جاتی ہے کہ ہمارے سماج میں جرم کس حد تک کارفرما ہے۔

منٹو نے سماج میں پیش آنے والے موضوعات و مسائل، سیاست، فسادات، طوائف، جنس و جرائم وغیرہ کو اپنے افسانوں میں خصوصی طور پر پیش کیا ہے۔ منٹو کا سماجی، سیاسی اور معاشی شعور بہت بلند تھا۔ منٹو نے افسانہ'' کالی شلوار'' میں سلطانہ نام کی پیشہ ور عورت کے معاشی حالات کی عکاسی کی ہے۔ اس افسانے میں شنکر سلطانہ کے ساتھ دھوکا دھڑی کر کے اپنا کام نکالتا ہے۔ اسی طرح منٹو نے افسانہ ''شغل ''میں مزدوروں کی زبوں حالی اور اس کے زیر اثر پیدا ہونے والی ذہنی اور جزباتی کیفیت کی بہترین عکاسی کی ہے۔ اس افسانے میں دو امیر نوجوان ایک غریب مزدور عورت رام دئی کو سرے عام زبردستی اٹھا لے جاتے ہیں ایسی واردات کو قانون کی اصطلاح میں Kidnapping یا اغوا کرنا کہیں گے یہ ایک سنگین جرم ہے جس کے لیے IPC-SECTION-364 کے تحت کاروائی کی جاتی ہے۔ اسی طرح افسانہ ''ہتک'' کی سوگندھی جو چند روپیوں کی خاطر اپنا جسم بیچتی ہے ایسے عمل کو Prostitution کہتے ہیں بغیر لائسنس کے اس طرح کا پیشہ کرنا قانون کی نظر میں جرم تصور کیا جاتا ہے۔ یہ ہمارے سماج کی حقیقت ہے کہ چار پیسے کے لیے انسان سماج میں موجود قانون کے دائرے سے بھی باہر نکل جاتا ہے۔ افسانہ ''دس روپے'' میں سریتا کی ماں چند پیسوں کی خاطر اپنی کم سن بیٹی سے جسم فروشی کا پیشہ کراتی ہے جو کی IPC-SECTION-372 کے تحت قانوناً جرم ہے۔

اس افسانے میں سعادت حسن منٹو نے ہمارا سماج کی اس دردناک حقیقت سے سامنا کرایا ہے جہاں ایک ماں گھر میں چولہا جلانے کی خاطر اپنی بیٹی کی عزت بھی بیچ سکتی ہے۔ منٹو کے ان افسانوں کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ واضہ ہو جاتا ہے کہ ان کے افسانوں میں جرم ایک معاشرتی عمل کے طور پر موجود ہے۔

انسان کے وجود میں اس کا کردار ایک اہم رول ادا کرتا ہے اور فطرت انسانی کو سمجھنے کے لیے

علم نفسیات انسان کے کردار کا مطالعہ کرتا ہے۔اور اس مطالعہ میں انسان اپنی زندگی کے مشاہدوں سے مدد حاصل کرتا ہے۔انسانی شخصیت کو سمجھنے کی کوشش صرف ماہرین نفسیات نے ہی نہیں کی بلکہ ادیب، شاعر اور مصنف بھی زمانۂ قدیم سے اس کام کو انجام دیتے آرہے ہیں، ٹھیک اسی طرح منٹو نے مختلف کرداروں کی نفسیات کا مطالعہ کر کے انہیں اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے۔چونکہ جرمیات بھی نفسیات کی ہی ایک ذیلی شاخ تصور کی جاتی ہے لہٰذا منٹو کے کرداروں سے جو جرم سرزد ہوئے ہیں ان کے پیچھے بھی ان کی نفسیات کا بڑا دخل ہے۔جب انسان سے کوئی جرم سرزد ہوتا ہے تو یقیناً اس کی نفسیات اس پر حاوی ہوتی ہے اور انہیں حالات میں وہ جرم کر بیٹھتا ہے۔منٹو کے افسانے اس کی جیتی جاگتی مثال ہیں۔منٹو کے افسانہ ''ٹھنڈا گوشت'' میں کلونت کور ایشر سنگھ کو حسد کی وجہ سے قتل کر دیتی ہے۔اقتباس دیکھیے :

> ''کلونت کور بالکل دیوانی ہوگئی لپک کر کونے میں سے کرپان اٹھائی، میان کو کیلے کے چھلکے کی طرح اتار کر ایک طرف پھینکا اور ایشر سنگھ پر وار کیا۔آن کی آن میں لہو کے فوارے پھوٹ پڑے کلونت کور کو اس سے بھی تسلی نہ ہوئی تو اس نے وحشی بلیوں کی طرح ایشر سنگھ کے کیش نوچنے شروع کر دیے۔ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی نامعلوم سوت کو موٹی موٹی گالیاں دیتی رہی۔''

(منٹو شناسی، منٹو کے افسانوں پر گفتگو۔ص۔129)

اسی طرح منٹو کے افسانہ ''وہ لڑکی'' میں لڑکی اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے خود قتل جیسے سنگین جرم کا ارتکاب کرتی ہے۔افسانہ ''نیا قانون'' میں منگو کوچوان گوروں سے نفرت اور نئے قانون کی باعث گورے انگریز کو بری طرح پیٹ ڈالتا ہے جس کی وجہ سے اسے حوالات میں ڈال دیا جاتا ہے۔افسانہ ''پڑھیے کلمہ'' میں رکما اپنے عاشق کی قربت حاصل کرنے کے لیے اپنے ہی شوہر کا قتل کر دیتی ہے۔اس طرح منٹو کے افسانوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسانی نفسیات ہی جرم کا سبب بنتی ہے۔

سعادت حسن منٹو نے اپنے افسانوں کے پلاٹ کچھ اس طرح سے ترتیب دیے ہیں کہ ان میں سماجی، سیاسی، معاشی، جنسی اور جرمیاتی واقعات کو مخصوص جگہ دی گئی ہے۔منٹو نے اپنے افسانوں میں جرائم کے واقعات پیش کر کے سماج کو آئینہ دکھایا ہے۔منٹو کے افسانوں کے موضوعات کا دائرہ بہت وسیع ہے، یہ اپنے اندر ایسے تمام موضوعات کو سمو لینے کی وسعت رکھتا ہے۔منٹو کے افسانہ ٹھنڈا گوشت کا پلاٹ

پوری طرح سے جرم کے واقعے پر مبنی ہے۔اس کہانی کی ابتدا اور اختتام دونوں جرم کے واقعے پر ہوتے ہیں مثلاً افسانے کی شروعات ہی لوٹ اور قتل کے واقعے سے ہوتی ہے۔ اور افسانے کے آخر میں کلونت کور کے ہاتھوں ایشر سنگھ کا قتل ہو جاتا ہے۔افسانہ 'کھول دو' میں رضا کار نوجوان سکینہ کے ساتھ کئی دنوں تک زنا بالجبر کرتے ہیں ایسے جرم کو قانونی اصطلاح میں "GANG RAPE" کہا جاتا ہے جس کے لیے سخت سزا مقرر کی گئی ہے۔افسانہ 'ممد بھائی' کا پلاٹ بھی جرم کے واقعے پر مبنی ہے۔ممد بھائی ایک غنڈہ ہے جو عرب گلی میں رہنے والی شیرین بائی کی بیٹی کے ساتھ زنا کرنے والے آدمی کا قتل کر دیتا ہے اور خود شہر بدر کر دیا جاتا ہے۔ان افسانوں کے علاوہ نیا قانون، صاحب کرامات، خونی تھوک، طاقت کا امتحان، جی آیا صاحب اور پڑھیے کلمہ کے پلاٹ میں منٹو نے اپنی فنی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔

کردار کے علاوہ تکنیک کے لحاظ سے بھی منٹو کے افسانے مکمل اور پختہ ہوتے ہیں۔منٹو نے اپنے افسانوں میں حسب موقع تکنیک کا استعمال کیا ہے۔وہ اپنے افسانوں میں کہانی کی ضرورت کے مطابق تکنیک استعمال کرتے ہیں۔منٹو نے بیانیہ۔فلیش بیک۔ڈرامائی تکنیک، خطوط اور مکالموں کی تکنیک کا استعمال اپنے افسانوں میں بڑی ہی فنکاری کے ساتھ کیا ہے۔منٹو نے جنس کے موضوع اور جرائم کے واقعات کو ملحوظ خاطر رکھ کر اپنے افسانوں میں تکنیک کا تعین کیا ہے۔منٹو کا افسانہ 'نیا قانون' جرم کے واقعہ پر مبنی ہے۔اس افسانے میں منٹو نے بیانیہ تکنیک کے علاوہ مکالماتی تکنیک اور فلیش بیک کی تکنیک کا بھی استعمال کیا ہے۔افسانے کا مرکزی کردار استاد منگو کوچوان ہے جسے گوروں سے بے حد نفرت تھی، جب وہ اپنے پرانے گاہک گورے انگریز کو 1935 ایکٹ کے پاس ہونے کے بعد دوبارہ دیکھتا ہے تو اس کے اندر نفرت کے جذبات اور بھی بڑھ جاتے ہیں۔گورے کی شکل دیکھ کر استاد منگو کو ایک سال پرانا واقعہ یاد آنے لگتا ہے، اور وہ یہ لفظ "وہی ہے" بار بار دہرانے لگتا ہے۔اس جگہ منٹو نے فلیش بیک کی تکنیک کا استعمال کیا ہے۔

جس طرح جرمیات میں جرم اور مجرم کی نفسیات کا مطالعہ کر کے اس کی انسدادی تدابیر تجویز کی جاتی ہیں، ٹھیک اسی طرح منٹو کے افسانوں کو پڑھ کر قاری کے ذہن میں جرم کے خلاف نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔چونکہ منٹو انسانی نفسیات کا بہت بڑا نباض تھا اس لیے اس نے اپنے افسانوں کے ذریعہ ایسی کہانیاں پیش کی ہیں جن کا اثر براہ راست قاری کے ذہن پر پڑتا ہے۔اس لیے منٹو کے افسانوں کو ایک نفسیاتی

آلہ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً منٹو کے افسانہ " کھول دو" میں 1947ء کی پیدا کردہ صورت حال میں جنسی حیوانیت کی شکار سکینہ کا سانحہ بیان کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی اگر ہم دور حاضر میں اپنے سماج میں رونما ہونے والے حالات کا جائزہ لیں تو ہم دیکھیں گے کہ سکینہ کے ساتھ پیش آنے والے دردناک سانحے کی طرح کئی سانحات ہمارے سماج میں پیش آتے رہتے ہیں۔ مثلاً 1857ء کی پیدا کردہ صورت حال کی شکار' گل بانو' ہو یا دسمبر 2012ء کو دہلی میں واقع ہوئی جنسی حیوانیت کا شکار' نربھیا' دونوں ہی کی منٹو کے افسانہ ' کھول دو' کی سکینہ سے مماثلت ہے۔ اگر منٹو کے افسانوں کو ایک نفسیاتی آلے کے طور پر استعمال کیا جائے تو ممکن ہے کہ سماج میں روز بہ روز بڑھتی گندی ذہنیت پر قابو پایا جا سکے مثلاً جس شخص نے منٹو کے افسانہ کھول دو کا مطالعہ کیا ہو کیا ممکن ہے کہ اس شخص سے اس طرح کا جرم سرزد ہو؟ میرے خیال میں یہ قطعی ممکن نہیں ہے کیونکہ کوئی حساس شخص جو سکینہ اور اس کے بوڑھے باپ سراج الدین کا درد محسوس کر چکا ہو وہ کبھی ایسی گھنونی حرکت نہیں کر سکتا اس کا ضمیر اسے کبھی اس بات کی اجازت نہیں دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ منٹو کے افسانے اپنے تاثر کی بنا پر جرم کے انسداد میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

المختصر یہ کہ جس طرح کسی ادبی فن پارے کا سیاسی، سماجی، تاریخی، تہذیبی یا ثقافتی نقطۂ نظر سے تجزیہ کیا جا سکتا ہے اسی طرح سے ادبی فن پارے کا جرمیاتی نقطۂ نظر سے بھی تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔ مذکورہ بالا مباحثے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ منٹو کے بیشتر افسانوں میں مختلف نوعیت کے جرائم کے واقعات فنکارانہ طریقے سے منعکس ہوئے ہیں۔ ان کے کردار چوری، قتل، زنا اور اغوا کرنے جیسے مختلف جرائم انجام دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ منٹو کے افسانوں کو پڑھ کر ہم جرم کے اسباب اور مجرم کی نفسیات کی تشخیص کر سکتے ہیں۔ منٹو نے ہمیں اس سماج کا آئینہ دکھایا ہے جس سماج میں گاہے بہ گاہے جرم کے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ منٹو نے معاشرے کے سنگین جرائم اور ناگفتہ بہ حالات کو قابل تجدید توانائی اور قابل اصلاح ذرائع کے طور پر استعمال کیا ہے۔ منٹو کے بیشتر افسانوں میں نمایاں جرم کے واقعات کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں یہ احساس ہوتا ہے کہ جرم بطور مرض ہمارے معاشرے کے تانے بانے میں پیوست ہے، اور کس حد تک یہ انسانیت کے لیے نقصان دہ ثابت ہو رہا ہے۔

☆☆☆